مطالعۂ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ ہود

(آیات ۸۱ ـــ ۸۳)

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ۔ اما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّہٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۵ مَّنْضُوْدٍ ۵ مُّسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ ؕ وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ○

"فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم تو تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم پر دست درازی نہ کر سکیں گے، پس تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے، سوائے تمہاری بیوی کے، اس پر بھی وہی کچھ بیتنا ہے جو ان سب پر بیتنے والا ہے! ان کی ہلاکت صبح کے وقت طے ہے، کیا صبح آیا ہی نہیں چاہتی ہے ـــــ پس جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر رکھ دیا اور اس پر پتھروں کی بارش کی، تہ در تہ اور تیرے رب کے پاس سے نشان زدہ، اور وہ ان ظالموں سے بھی ہرگز دور نہیں!" ـــــ

گزشتہ درس کا اختتام حضرت لوط علیہ السلام کے ان حد درجہ یاس آمیز الفاظ پر ہوا تھا

کہ "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" ـــــ سورۃ ہود کے متصلاً بعد سورۃ یوسف ہے اور اس کے آخر میں بھی اس کیفیت کا نقشہ ایک عمومی قاعدے کے طور پر کھینچا گیا ہے کہ "حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ ....." یعنی جب رسول اپنی قوم کی جانب سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تب اللہ کی مدد آپہنچتی ہے: فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ـ "پھر نجات دی گئی جسے ہم نے چاہا، اور نہیں لوٹایا جا سکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے!"

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھی اللہ کے فرشتے اسی قانونِ خداوندی کے تحت پہنچے تھے لیکن انسانی شکل میں ہونے کے باعث آنجنابؑ انہیں پہچان نہ سکے اور وہ صورت پیش آئی جو آیات ۷۷ تا ۸۰ میں بیان ہو چکی ہے۔ واضح رہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ وہ بھی ان ہی فرشتوں کو عام مہمان اور معمولی انسان سمجھ کر معاملہ کر چکے تھے ــــــ اور ٹھیک یہی معاملہ حدیثِ جبرئیلؑ کی بعض روایات کی رُو سے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہ جب حضرت جبرئیلؑ انسانی صورت میں آکر گفتگو کر کے چلے گئے تب آپؐ نے فرمایا "رُدُّوْہُ اِلَیَّ" یعنی "انہیں میرے پاس واپس لاؤ!" اور جب تلاشِ بسیار کے باوجود ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو آپؐ نے فرمایا: "اچھا! یہ جبرئیلؑ تھے ــــــ اور یہ پہلی بار ہے کہ میں انہیں پہچان نہیں سکا!"

بہرحال جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو فرشتوں نے اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ اے لوطؑ! ہمیں انسان اور عام مہمان نہ سمجھ، ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور تم پوری طرح مطمئن رہو کہ یہ خبیث ہمارا یا تمہارا کچھ بگاڑنا تو درکنار تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ اس کے بعد فوری طور پر کیا صورتِ معاملہ پیش آئی اس کی تفصیل قرآنِ حکیم میں موجود نہیں ہے لیکن بعض تفسیری روایات میں جو تفاصیل آئی ہیں وہ صورتِ واقعہ سے پوری مطابقت رکھتی ہیں اور ہرگز نہ خلافِ عقل ہیں نہ خلافِ قیاس یعنی یہ کہ فرشتوں نے حضرتِ لوطؑ اور ان کے اہلِ خانہ کو تو گھر کے اندر کی جانب بھیج دیا اور اپنے بازو کو ذرا سا ان ملعونوں کی جانب لہرایا جس کے باعث وہ سب کے سب دفعۃً اندھے ہو گئے اور لرزاں و ترساں راہِ فرار اختیار کر گئے۔ اس کے بعد جیسا کہ آیات زیرِ درس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم حضرت لوطؑ کو وضاحت کے ساتھ پہنچایا کہ اس قوم پر عذابِ استیصال کا وقت آپہنچا

ہے اور ان کی ہلاکت کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے جواب طلوع ہوا ہی چاہتی ہے' لہٰذا تم جلدی کرو اور اپنے اہل و عیال سمیت صبح ہونے سے پہلے پہلے اس بستی سے دور نکل جاؤ ___ اور خبردار! تم میں سے کوئی اس بستی کی جانب پلٹ کر بھی نہ دیکھے! ___ اس کے دو مفہوم ممکن ہیں : ایک یہ کہ عذاب اتنا ہولناک ہوگا کہ کوئی انسان اس کو دیکھنے کی تاب بھی نہ لا سکے گا اور دوسرے یہ کہ اس گندی بستی اور اس کے خبیث رہنے والوں کی جانب کوئی ادنیٰ سا میلان بھی غیرتِ الٰہی کو گوارا نہیں ہے۔

ساتھ ہی فرشتوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت لوطؑ کی بیوی عذابِ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو اس پوری بستی کا' اس لیے کہ وہ اغلباً تھی بھی اسی قوم سے اور اس کا سارا جھکاؤ بھی ان ہی کے جانب تھا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی کے بارے میں تو یہ صراحت قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے ہی' سورۃ التحریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی کے ساتھ بھی ہوا۔ وہاں ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کی بدنصیب بیویوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور صراحت فرما دی گئی ہے کہ "فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ" کہ وہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اپنی بیویوں کو عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے اور دونوں کے حق میں حکمِ الٰہی صادر ہوگیا کہ داخل ہو جاؤ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ گویا نہ صرف یہ کہ یہ دونوں اس دنیا میں عذابِ استیصال سے دوچار ہونے کے معاملے میں اپنی قوم کے ساتھ رہیں بلکہ آخرت میں عذابِ جہنم میں بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی مبتلا ہوں گی۔ گویا ہر انسان اللہ کے یہاں اپنے ہی کیے کی جزا یا سزا پائے گا' کسی دوسرے کی بزرگی یا نیکی اس کے کام نہ آئے گی خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں۔

آیات ۸۲' ۸۳ میں عذابِ الٰہی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ واقعۃً نہایت ہولناک ہے۔ یعنی یہ کہ اس بدکار قوم کی بستیوں پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی جو مسلسل بھی رہی اور وقفے وقفے سے بھی یعنی تہہ بر تہہ۔ نتیجۃً عمارتیں ڈھے گئیں' ان کی بلندیاں نیچے آ رہیں' اور تمام بستیاں اور ان میں بسنے والے تمام لوگ نیست و نابود اور نسیاً منسیا ہو کر رہ گئے۔

واضح رہے کہ یہ بستیاں جن کا اب نام و نشان بھی مٹ چکا ہے' اغلباً بحیرۂ مردار کے جنوبی

ساحل پر آباد تھیں۔ ان کا مقام سدوم تھا اور دوسرا بڑا شہر عامورہ تھا۔ ان کے علاوہ چند بڑے شہر اور بھی تھے اور ان کا درمیانی پورا علاقہ نہایت سبز و شاداب تھا۔ گویا ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ متذکرہ عذابِ الٰہی جو آسمان سے نازل ہوا تھا اس کے بعد غالباً کوئی زلزلہ وغیرہ بھی آیا جس نے ان بستیوں کے آثار کو بھی بحیرۂ مردار یا بحیرۂ لوط میں غرق کر دیا۔ "مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ" کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ یہ عام پتھر نہ تھے بلکہ خاص اسی مقصد کے لیے بنائے اور نشان زدہ کیے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ ہر پتھر جس ظالم کی ہلاکت کا ذریعہ بننے والا تھا اس پر گویا اس کا نام پہلے سے کندہ موجود تھا۔

اسی طرح آخری ٹکڑے یعنی "وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ" کے بھی کئی مفہوم ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ "هِيَ" کی ضمیر پتھروں کی جانب راجع مانی جائے۔ اور معنی یہ مراد ہوں کہ اللہ کو ان کی ہلاکت کے لیے یہ پتھر کہیں دُور سے نہیں لانے پڑے بلکہ وہ ان کے آس پاس ہی سے اٹھا لیے گئے تھے' دوسرے یہ کہ "هِيَ" سے مراد وہ بستیاں ہوں جو اس عذاب کا نوالہ بنیں اور "الظالمین" سے مراد قریش ہوں جن کو یہ داستان سنائی جا رہی تھی۔ اور جو انکار و اعراض کی اس روش پر چل رہے تھے جس پر سابقہ معذّب قومیں چلی تھیں۔ اور مراد قریش کو اس جانب متوجہ کرنا ہو کہ یہ واقعات کہیں دُور دراز مقامات پر پیش نہیں آئے تمہارے قرب و جوار ہی میں پیش آئے ہیں' تو چاہیے کہ تم ان سے عبرت پکڑو۔ اور تیسرے یہ کہ "هِيَ" میں اشارہ اُن پتھروں ہی کی جانب ہو اور قریش کو دھمکی دی جا رہی ہو کہ عذابِ الٰہی کے یہ پتھر تم سے بھی دُور نہیں ہیں بلکہ گویا تمہارے سروں پر سایہ کیے ہوئے ہیں! ـــــ یہ آخری بات اس لیے راجح معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں ان حالات و واقعات کا تذکرہ ظاہر ہے کہ داستان سرائی کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کا تمام تر مقصد انذار و تخویف ہے۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں ان "اَنْبَاءُ الرُّسُلِ" کے بیان کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان سے ایک جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی صحابہ کرامؓ کے دلوں کو ڈھارس بندھے اور تقویت حاصل ہو اور دوسری جانب اہل کفر و شرک کو یہ تنبیہ ہو جائے کہ "اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ" یعنی ہم اپنا کام کیے چلے جا رہے ہیں، تم بھی جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو۔ بالآخر حکمِ خداوندی سے وہی کچھ ہوگا جو ہوتا آیا ہے۔ یعنی نجات و کامیابی اور فوز و فلاح رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا حصہ قرار پائے گی اور دنیوی ہلاکت و تباہی اور اُخروی عذاب کافروں کا مقدّر بن کر رہے گا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○